

انسورس پاپسی

اور

اسلام

PDFBOOKSFREE.PK

صنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبہ تحقیق و اشاعت

Jamia Islamia Masehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئین کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

www.pdfbooksfree.pk

فہرست مروجہ انشورنس پالیسی اور اسلام

- 2 انشورنس کی حقیقت
- 3 انشورنس کی مختلف صورتیں
- 3 انشورنس میں سود اور سود کی شرعی تعریف
- 6 ذاتی ضروریات اور کاروباری ضروریات پر سودی قرض
- 10 انشورنس میں دو طرح کا سودی معاملہ ہے
- 11 انشورنس میں قمار اور قمار کی تعریف
- 12 ایک شبہ کا جواب
- 14 انشورنس کے مصالح اور حکم شرعی میں ترمیم کا مسئلہ
- 15 انشورنس میں مفاسد
- 16 انشورنس کی مختلف صورتوں میں فرق ہے یا نہیں؟
- 16 لائف انشورنس کا حکم
- 17 ہندوستان کے موجودہ حالات میں لائف انشورنس
- 19 املاک کا انشورنس
- 19 بعض علماء کی غلط فہمی
- 23 ذمہ داریوں کا انشورنس
- 24 میڈیکل انشورنس
- 25 کاغذات کا بیمہ
- 26 انشورنس میں سود لیے بغیر شرکت کا حکم
- 27 ربوایا امداد؟
- 28 دارالہرب میں سود کا مسئلہ
- 31 ایک اہم مسئلہ
- 33 نجی کمپنیوں اور حکومتی اداروں میں فرق
- 34 ایک علمی مغالطہ
- 36 انشورنس کے سود کے مصارف
- 39 ایک قابل توجہ امر
- 39 انشورنس کی متبادل شرعی شکل

مروجہ انشورنس پالیسی اور اسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مروجہ انشورنس پالیسی اور اسلام

انشورنس کی حقیقت

انشورنس کے احکام پر گفتگو سے پہلے انشورنس کی حقیقت پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ انشور انگریزی میں وثوق دلانے اور یقین دہانی کے معنی رکھتا ہے، اسی سے انشورنس ایک ایسے معاملہ کو کہا جاتا ہے، جس میں بعض شرائط پر ایک شخص کو دوسرے کی طرف سے مستقبل میں پیش آنے والے امکانی خطرات سے حفاظت اور بعض نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کی جاتی ہے، اور وہ شرط یہ ہے کہ وہ شخص جس کے لئے خطرات سے حفاظت اور نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کی گئی ہے، وہ ایک معینہ مدت تک ایک مقررہ رقم قسطوار دوسرے شخص کو ادا کرتا رہے، اگر اس مقررہ مدت کے درمیان اس کی جان و مال و املاک کو کوئی خطرہ لاحق ہو گیا تو یہ دوسرا شخص اسکو اس خطرہ سے بچائے گا، اور اس کے نقصان کی تلافی کرے گا، اور اس مقررہ مدت میں کوئی خطرہ پیش نہ آیا تو بالاقساط ادا کردہ پوری رقم، سود کے ساتھ واپس کر دی جائے گی، پھر اس قسطوار جمع شدہ رقم پر سود دینا، اور خطرات کے لاحق ہونے کی صورت میں نقصانات کی تلافی کرنا، دشوار گزار مرحلہ تھا، اس کو اس طرح حل کیا جاتا ہے کہ اس رقم کو سود پر دیا جاتا ہے، اور اس سے حاصل ہونے والے سود سے ان ذمہ داریوں کو پورا کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انشورنس ایک ایسا معاملہ ہے جس کی ابتداء قمار (جوئے) سے ہوتی ہے اور انتہاء سود پر، گویا انشورنس قمار اور سود دونوں کا مرکب ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے انشورنس کا معاملہ ایک سودی کاروبار ہے، جو بینک کے کاروبار کے مثل ہے، دونوں میں جو فرق ہے وہ شکل کا ہے، حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں، حقیقت میں کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس میں ربوا کے ساتھ غرر بھی پایا جاتا ہے۔

انشورنس کی مختلف صورتیں

اس کے بعد واضح رہے کہ آج انشورنس کی مختلف قسمیں اور صورتیں رائج ہیں، اور بنیادی طور پر اس کی تین صورتیں ہیں: ایک زندگی کا انشورنس، دوسرے املاک کا انشورنس، اور تیسرے ذمہ داریوں کا انشورنس، ان تینوں انشورنس کی قسموں میں جو بات مشترک طور پائی جاتی ہے، وہ وہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی کہ اسکی ابتداء قمار و جوئے سے ہوتی ہے، اور اس کا اختتام سود پر ہوتا ہے، یا یہ کہ اس کی بعض صورتوں میں سود ہے اور بعض میں قمار، لہذا ہم ان اقسام پر الگ الگ بحث کے بجائے اولاً اس کے بارے میں ایک اجمالی بحث کریں گے پھر بعض جزئیات پر الگ سے کلام کریں گے۔

انشورنس میں سود اور سود کی شرعی تعریف

اب ہم اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، انشورنس کا یہ معاملہ جس کی وضاحت کی گئی ہے، سود اور قمار پر مشتمل ہے، مگر بعض لوگ یہ عجیب اور دلچسپ جھگڑا پیدا کرتے ہیں کہ انشورنس کے معاملہ میں جس کو انٹرسٹ (interest) کہا جاتا ہے، یہ شرعی سود نہیں ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اسلام میں جس کو سود کہا گیا ہے وہ اس سے مختلف دوسری چیز ہے۔ وہ یہ کہ خرید و فروخت میں ہم جنس اشیاء کو کمی پیشی کے

ساتھ لینا دینا جب کہ وہ مقداری ہوں، سود ہے، قرض میں زیادتی سود نہیں ہے۔ لہذا انشورنس کا معاملہ چونکہ قرض کی ایک شکل ہے، اس میں زیادتی شرعی ربوا نہیں ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں جس طرح خرید و فروخت میں سود اور ربوا ہوتا ہے اور وہ ناجائز ہے، اسی طرح قرض میں بھی اس کا تحقق ہوتا ہے، بلکہ زمانہ جاہلیت سے ربوا کی جو شکل رائج تھی وہ یہی قرض پر زیادتی والی تھی، امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں لکھا ہے کہ:

”ان ذالك الربوا انما عنى به ربوا القرآن الذى كان اصله فى النسبة، و ذلك ان الرجل كأن يكون له على صاحبه الدين، فيقول له: اجلنى منه الى كذا و كذا بكذا او كذا درهمًا، ازيد كهذا فى دينك، فيكون مشتريًا لاجل بمال، فنها هم الله عزوجل عن ذلك بقوله ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (۱)

(اس ربوا سے مراد قرآن کا ربوا ہے جو کہ اصل میں قرض و ادھار میں تھا، اور اس کی صورت یہ تھی کہ آدمی کا کسی پر قرض ہوتا تو وہ کہتا کہ مجھے اتنے درہم میں اتنی مدت مزید مہلت دو، میں تمہارے قرض میں اس کو بڑھا کر دوں گا، پس یہ شخص مال کے بدلے مدت کا سودا کرتا، لہذا اللہ نے اس آیت سے اس کو منع فرمایا) امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

”والربوا الذى عليه عرف الشرع شيعان: تحريم النساء و التفاضل فى العقود و المطعومات على ما نبينه، و غالبه ما كانت العرب تفعله من قولها للغريم: اتقضى ام تربي؟ فكان الغريم يزيد فى عدد المال ويصير الطالب عليه، وهذا كله محرم باتفاق الائمة۔ (۲)

(۱) شرح معانی الآثار للامام الطحاوی: ۲/۱۹۱ (۲) تفسیر القرطبی: ۳/۳۲۸

(اور وہ سود جس پر عرفِ شرع ہے دو چیزیں ہیں: ایک ادھار کا حرام ہونا اور ایک عقو دو معاملات اور کھانے کی چیزوں میں کمی بیشی کرنا جیسا کہ ہم بیان کریں گے، اور زیادہ تر عرب لوگ جو کیا کرتے تھے وہ یہ تھا کہ وہ قرضدار سے کہتے: کیا قرض ادا کر دو گے یا سود دو گے؟ پس قرضدار مال کی مقدار بڑھا دیتا، اور وہ اسی کا مطالبہ کرتا، لہذا یہ سب کا سب باتفاق ائمہ حرام ہے)

امام فخر الدین الرازی فرماتے ہیں:

”اعلم ان الربوا قسمان: ربوا النسيئة و ربوا الفضل - اما ربوا النسيئة فهو الامر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، و ذلك انهم كانوا يدفعون المال على ان يأخذوا كل شهر قدرًا معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم اذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فان تعذر عليه الاداء زادوا في الحق والاجل، فهذا هو الربوا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به الخ - (۱)

(جاننا چاہئے کہ ربا کی دو قسمیں ہیں: ایک ربا النسیئہ (ادھار کا سود) دوسرے ربا الفضل (زیادتی کا سود) ربا ادھار کا سود تو وہ جاہلیت میں مشہور و معروف تھا اور اس کی صورت یہ تھی کہ وہ کسی کو اس شرط پر مال دیتے تھے کہ وہ ہر ماہ ایک متعینہ مقدار لیں گے، اور اصل مال بھی ذمہ میں باقی رہتا، پھر جب قرض کی ادائیگی کا وقت آتا تو وہ قرضدار سے رأس المال کا مطالبہ کرتے، اگر وہ ادائیگی سے معذور ہوتا تو رقم اور مدت میں زیادتی کر دیتے، پس یہ ہے وہ سود جس کا معاملہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے)

حضرات ائمہ تفسیر و حدیث کے ان اقوال سے بصراحت ثابت ہوا کہ جاہلیت

کے لوگ جس ربوا کا معاملہ کرتے تھے وہ قرض پر زیادتی ہے، اور قرآن نے اولاً اسی کو حرام و ممنوع قرار دیا ہے۔ رہا بیع و تجارت میں ربا کا معاملہ تو وہ بھی بلاشبہ حرام ہے، مگر زمانہ جاہلیت کے لوگ اس کو ربوا نہیں سمجھتے تھے، لہذا جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کو بھی ربوا کے ساتھ ملحق قرار دیا اور اس کو سختی کے ساتھ روکا ہے۔

غرض یہ کہ قرض پر زیادتی بھی سود ہے، بلکہ اصل سود ہے، اس میں شبہ پیدا کرنا، نہایت درجہ کی غیر معقول حرکت ہے، جب کہ یہی وہ ربوا ہے، جو زمانہ جاہلیت میں متعارف تھا، اور اس سے قرآن نے بصراحت منع کیا ہے۔ اس تفصیل کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ انشورنس کے معاملہ میں قرض پر جو سود دیا جاتا ہے وہ شرعی سود اور بواہی ہے، جس کا حرام ہونا بنص قطعی ثابت ہے۔

ذاتی ضروریات اور کاروباری ضروریات پر سودی قرض

البتہ یہاں ایک اور بحث ہے جس کو بعض ناخدا ترس لوگوں نے چھیڑا ہے، وہ یہ کہ ذاتی ضروریات پر سودی قرض اور کاروباری ضروریات پر سودی قرض میں فرق ہے کہ پہلی شکل میں زیادتی تو ربوا ہے اور حرام ہے، مگر دوسری شکل میں زیادتی سود اور ربوا میں داخل نہیں۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ عرب لوگ زمانہ جاہلیت میں جو قرض لیتے تھے، وہ صرف اپنی ذاتی اغراض و ضروریات کے لئے ہوتا تھا اور قرآن نے اسی قرض پر زیادتی کو حرام قرار دیا ہے، اور اس زمانے میں کاروباری اغراض اور ضروریات کے لئے قرض لینے دینے اور اس پر سود لینے دینے کا طریقہ رائج نہیں تھا، اور نہ ہی قرآن نے اس کو حرام کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ عرب میں کاروباری اغراض کے لئے سودی قرضے کا رواج نہ تھا، تب بھی اس بات کی قرآن و حدیث میں

کیا دلیل ہے کہ شخصی و ذاتی اغراض کے لئے سودی قرض، اور کاروباری اغراض کے لئے سودی قرض میں فرق ہے؟ مذکورہ دلیل سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ سودی قرض کی ایک شکل جاہلیت میں رائج تھی، دوسری رائج نہ تھی۔ مگر یہ تو ثابت نہ ہوا کہ ان میں حکم کے لحاظ سے کوئی جوہری فرق ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کاروباری ضروریات کے لئے قرضے کاروانج عرب میں نہ تھا، تو کیا دنیا کے اور خطوں اور حصوں میں بھی نہ تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے ممالک میں سرکاری اور کاروباری قرضوں کا رواج تھا، بلکہ خود عرب میں بھی کاروباری و تجارتی قرضوں کا رواج تھا، چنانچہ یہاں اس کے چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) بخاری میں حضرت زبیر بن العوامؓ کے بارے میں موجود ہے کہ ان کے پاس لوگ امانت رکھنے مال لاتے، تو وہ کہتے کہ نہیں، بلکہ تم مجھے یہ قرض دیدو، پھر اس کو تجارت میں لگاتے تھے۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے یہ الفاظ حضرت زبیرؓ کے متعلق موجود ہیں: انما كان دينه الذي عليه ان الرجل كان يأتيه بالمال فيستودعه اياه، فيقول الزبير: لا ولكن سلف، فاني اخشى عليه الضيعة. (۱)

اس میں حضرت زبیرؓ کا قرض لینا مذکور ہے، مگر یہ کہ قرض کیوں لیتے تھے؟ اس کا ذکر یہاں نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اسکی وجہ میں فرماتے ہیں: و كان غرضه بذلك انه كان يخشى على المال ان يضيع، فيظن به التقصير في حفظه فرأى ان يجعله مضموناً فيكون اوثق لصاحب المال وابقى لمروئته، زاد ابن بطلال: وليطيب ربح ذلك المال. (۲)

(۱) بخاری کتاب الجھاد، باب فرض الخمس: ۲۸۹۷ (۲) فتح الباری: ۶/۲۳۰

(اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ وہ مال کے ضائع ہونے کا خطرہ محسوس کرتے تھے، جس سے کوئی ان کے بارے میں یہ گمان کر سکتا تھا کہ حفاظت میں کوتاہی کی ہے، اس لئے چاہا کہ اس مال کو واجب الادا قرار دیدیں تاکہ وہ مال والے کے لئے زیادہ وثوق کا سبب بنے اور خود کی مروت بھی لوگوں کی نظر میں باقی رہے، ابن بطال نے یہ بات بھی کہی ہے کہ آپ ایسا اس لئے کرتے تھے کہ تاکہ اس مال کا نفع آپ کے لئے حلال ہو سکے)

اس میں ابن بطال کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلف (قرض) کا ایک مقصد تجارت بھی تھی جس سے نفع کمایا جاتا تھا، اور آپ اسی لئے امانت کے بجائے اس مال کو قرض کی شکل میں لیتے تھے کہ اس سے نفع کمایا جائے۔

(۲) اس دلیل سے زیادہ صریح یہ ہے کہ امام مالکؒ نے مؤطا میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ وعبید اللہ رضی اللہ عنہما ایک موقع پر بصرہ گئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو اس وقت وہاں کے امیر تھے ان سے ملاقات کی، تو حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ میں تم کو نفع پہنچانا چاہتا ہوں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مجھ سے بیت المال کا قرض لے لو اور اس سے بغرض تجارت کچھ مال خرید لو اور مدینہ پہنچ کر اسے فروخت کر کے نفع اٹھا لو اور اصل مال بیت المال میں داخل کر دینا، چنانچہ انھوں نے ایسے ہی کیا الخ۔ (۱)

دیکھئے کس قدر صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت کی غرض سے قرض لینے کا رواج تھا۔

(۳) روح المعانی میں ہے کہ بعض قبیلے، دوسرے قبیلوں سے قرض سود پر لیا کرتے تھے، چنانچہ آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنْ

(۱) مؤطا امام مالک، کتاب القرض: ۲۸۵

الرَّبُّواْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ [بقرہ: ۲۷۸] کے تحت لکھتے ہیں:

”نزلت فی العباس بن عبد المطلب و رجل من بنی مغیره كانا شریکین فی الجاهلیة یسلفان فی الربا الی ناس من ثقیف من بنی عمرة و اخرج ابن ابی حاتم عن مقاتل قال: نزلت هذه الایة فی بنی عمرو بن عمیر بن عوف الثقفی، و مسعود بن عمرو بن عبد یالیل بن عمرو، و ربیعة بن عمرو، و حبیب بن عمرو، و کلهم اخوة وهم الطالبون، و المطلوبون بنو المغیره من بنی مخزوم و كانوا یداینون بنی المغیره فی الجاهلیة بالربا“ (۱)

(یہ آیت عباس بن عبدالمطلب اور قبیلہ بنومغیرہ کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جو زمانہ جاہلیت میں شریک کاروبار تھے، اور بنوعمرہ کی شاخ بنوثقیف کے لوگوں کو سود پر قرض دیا کرتے تھے، اور ابن ابی حاتم نے حضرت مقاتل سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت بنوعمرہ بن عمیر بن عوف ثقفی اور مسعود بن عمرو بن یالیل بن عمرو اور ربیعة بن عمرو اور حبیب بن عمرو کے بارے میں اتری ہے، یہ سب بھائی تھے اور یہ قرضخواہ تھے اور بنومخزوم کی شاخ بنومغیرہ ان کی مقروض تھی، وہ لوگ بنومغیرہ کو سود پر زمانہ جاہلیت میں قرض دیا کرتے تھے)

یہ دونوں قبیلے جاہلی دور کے دو مالدار قبیلے تھے اور تجارت کے میدان میں بہت آگے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ قبیلہ کا قبیلہ سے قرض لینا شخصی ضروریات کے لئے ہونہیں سکتا، لامحالہ یہ قرض کاروباری ضروریات کیلئے لیا جاتا تھا۔

اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں تجارت کا بھی ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: هذا حکم

من الله لمن اسلم من كفار قريش و ثقيف و من كان يتجر هنالك . (۱)
 الغرض یہ بات کہ شخصی قرضوں پر سود حرام نہیں، غلط اور غیر معقول بات ہے، نہ
 فقہ کے اصول اس کا ساتھ دیتے ہیں اور نہ تاریخ ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے، بلکہ
 جیسا کہ گزرا تاریخ اس کے خلاف شواہد پیش کرتی ہے۔

انشورنس میں دو طرح کا سودی معاملہ ہے

پھر انشورنس میں سودی معاملہ دو طرح کا ہے، ایک تو انشورنس کمپنی انشورنس
 کے طالب سے رقم وصول کر کے دوسرے حاجت مندوں کو سود پر قرض دیتی ہے، لہذا
 یہ طالب، انشورنس کمپنی کا سودی کاروبار میں معاون ہوگا، اور سودی کاروبار کے تعاون
 کا حرام ہونا محتاج بیان نہیں۔ حدیث میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ: ﴿لعن
 رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله و كاتبه و شاهديه و قال هم سواء﴾

(رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود دینے والے، سودی حساب لکھنے
 والے اور اس معاملے پر گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب گناہ
 میں برابر ہیں) (۲)

علامہ نوویؒ شارح مسلم نے اس حدیث پر لکھا ہے کہ: فیہ تحریم الاعانة
 علی الباطل. (اس حدیث میں باطل کاموں پر مدد و تعاون کا حرام ہونا مذکور
 ہے) (۳)

دوسرے یہ کہ انشورنس کمپنی ان طالبین کو ان کی جمع کردہ رقم پر پالیسی کے
 مطابق سود دیتی ہے، اور یہ صریح حرام ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

(۱) تفسیر قرطبی: ۳/۳۶۱ (۲) مسلم: ۲/۲۷۷ (۳) شرح مسلم للنووی: ۲/۲۸۷

انشورنس میں قمار اور قمار کی تعریف

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، انشورنس کی ابتداء قمار (جوئے) سے ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ بیمہ شدہ شخص یا شیء، وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو اتنی رقم ملے گی، اور اس وقت کے بعد تلف ہو تو اتنی، جب کہ تلف ہونے کا وقت متعین نہیں اور نہ ہو سکتا ہے، اور اسلام میں جس کو قمار (جوا) کہا گیا ہے، اس کی حقیقت بس یہ ہے کہ نفع و نقصان کو غیر معین و نامعلوم بات پر معلق و موقوف کیا جائے کہ اگر وہ واقع ہو جائے تو نفع ہو اور اگر واقع نہ ہو تو نقصان۔ علامہ ابن نجیم المصری اور علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

”لان القمار من القمر الذی یزداد تاراً و ینقص اخری، و سُمی القمار قماراً لان کل واحد من المقامرین ممن یحوز ان ینهب مالہ الی صاحبه و یحوز ان یرتفع مال صاحبه و هو حرام بالنص۔^(۱)

(کیونکہ قمار قمر سے ماخوذ ہے جو کبھی بڑھتا ہے اور کبھی گھٹتا ہے، اور قمار کو قمار اس لئے کہا جاتا ہے کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک ممکن ہے کہ اس کا مال دوسرے کے پاس چلا جائے اور یہ بھی امکان ہے کہ دوسرے کا مال یہ ہڑپ لے، اور یہ نص سے حرام ہے)

اور ”التعریفات الفقہیۃ“ کے مؤلف علامہ عمیم الاحسان صاحب فرماتے ہیں:

القمار مصدر قامر هو کل لعب یشرط فیہ غالباً ان یاخذ الغالب شیئاً من المغلوب، و اصلہ ان یاخذ الواحد من صاحبه شیئاً فشیئاً فی اللعب، ثم عرفوه بانہ تعلیق المملک علی الخطر و المال فی الجانبین۔^(۲)

(۱) البحر الرائق: ۵۵۴/۸، رد المحتار للشامی: ۲۰۳/۶

(۲) التعریفات الفقہیۃ، مندرجہ قواعد الفقہ: ۲۳۴

(قمار: ”قَمَر“ کا مصدر ہے اور وہ ہر ایسا کھیل ہے جس میں اکثر یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ جو جیتے گا وہ ہارنے والے سے کچھ لے گا، اور اس میں اصل یہ ہے کہ کھیل میں اپنے ساتھی سے تھوڑا تھوڑا کر کے لے، پھر علماء نے اس کی تعریف یہ کی کہ قمار ملک کو کسی خطرہ پر معلق کرنا ہے جبکہ مال دونوں طرف ہو)

غرض یہ کہ انشورنس میں جو یہ شرط ہوتی ہے کہ فلاں شخص (جس کی زندگی کا بیمہ ہوا ہے) یا فلاں شی (جس کا بیمہ ہوا ہے) اگر مقررہ مدت کے اندر مرے یا ہلاک ہو جائے تو اتنی رقم ملے گی، یعنی نفع ہوگا اور اگر اس مدت کے بعد مرے یا ہلاک ہو تو اتنی رقم ملے گی یعنی پہلے کی بنسبت نقصان ہوگا، یہ ایسی شرط ہے جس کا وجود عدم غیر معین و مبہم ہے، اور ایسی شرط پر معاملہ کو دائر کرنا صریح قمار ہے۔

حدیث میں اسی بنا پر ”رُقْبِی“ کی ممانعت آئی ہے، ابوداؤد و نسائی میں ہے: ﴿عن زید بن ثابت قال قال رسول اللہ ﷺ ولا تُرَقِبُوا﴾ (کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رقمی نہ کرو) (۱)

اور رقمی کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو یوں کہے کہ اگر تو پہلے مر جائے تو یہ مکان میرا ہے اور اگر میں پہلے مر جاؤں تو تیرا ہے۔ (۲)

علامہ قرطبی، امام مالک اور کوفین (امام ابوحنیفہ و محمدؒ) کی جانب سے اس کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں: لان کل واحد منهم يقصد الی عوض لا یدری هل یحصل له، ویتمنی کل واحد منهما موت صاحبه. (۳)

ایک شبہ کا جواب

یہاں یہ ممکن ہے کہ یہ شبہ پیدا ہو کہ رقمی اگر قمار پر مشتمل ہے، تو اس کو تمام ائمہ

(۱) ابوداؤد: ۳۰۷۶، نسائی: ۳۶۷۱ (۲) بذل المجہود: ۳۰۱/۵، تفسیر القرطبی: ۲۹۹/۱

(۳) تفسیر القرطبی: ۲۹۹/۱

نے حرام کیوں نہیں قرار دیا؟ امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ وغیرہ اس کے جواز کے قائل ہیں، یا خود قمار میں کوئی گنجائش ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جن ائمہ نے اسکو ناجائز قرار دیا ہے، انہوں نے اس کی تفسیر وہی کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ ملک کو موت پر معلق رکھا گیا ہو، اور جن حضرات نے اس کو جائز کہا ہے، وہ قحی کی مذکورہ تعریف و صورت ہی کو تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ قحی کی صورت یہ ہے کہ کسی کو ہبہ کر دیا جائے اور ساتھ یہ شرط کی جائے کہ اگر تو پہلے مرا تو یہ مکان مجھے واپس مل جائے، ورنہ نہیں، اس صورت میں ملک کو موت پر معلق نہیں رکھا گیا ہے بلکہ واپسی کو موت پر معلق رکھا گیا ہے۔ یہ ہبہ بہ شرط فاسد ہے۔ علامہ خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تقریر میں ہے کہ:

”قد اختلف فيه (ای فی الرقبی) ائمتنا الثلاثة، فمن جوزها اراد بالرقبی الهبة بشرط ان ترجع الی الواهب لومات الموهوب له قبله، ومن ابطلها فسرھا بتعلیق التملیک علی الموت السابق من ایھما، کأن یقول له: ان مت قبلی فهو لی وان مت قبلك فهو لك، وهو باطل لا محالة لان تعلیق التملیک علی شرط هو علی خطر الوجود قمار، فكان الخلاف لفظياً مبنیاً علی اختلاف تفسیر الرقبی. (۱)

(ہمارے ائمہ ثلاثہ نے قحی کے جواز میں اختلاف کیا ہے، پس جنہوں نے جائز کہا ہے، انہوں نے قحی سے وہ ہبہ مراد لیا ہے، جو موهوب لہ کے پہلے مر جانے پر واہب کو واپس مل جانے کی شرط پر ہو، اور جنہوں نے اس کو باطل کہا ہے، انہوں نے

اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ ملک کا پہلے واقع ہونے والی موت پر معلق کرنا چاہے جس کی بھی ان دونوں (دینے اور لینے والوں) میں سے پہلے ہو جائے، مثلاً یوں کہے کہ اگر تو مجھ سے پہلے مر جائے تو یہ میرا ہے اور اگر میں تجھ سے پہلے مر جاؤں تو وہ تیرا ہے، اور یہ لامحالہ باطل ہے؛ کیونکہ ملک کو ایسی شرط پر معلق کرنا جو خطرہ میں ہو، وہ قمار ہے، لہذا یہ اختلاف لفظی ہے جو رقمی کی تفسیر کے اختلاف پر مبنی ہے)

حاصل یہ کہ قمار کا حرام ہونا اپنی جگہ مسلمہ حقیقت ہے، اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں رقمی کی صورت و تعریف میں اختلاف ہے، جنہوں نے اس کو قمار کی شکل دی وہ ناجائز قرار دیتے ہیں اور جنہوں نے دوسری صورت دی وہ جواز کے قائل ہیں۔ بہر حال انشورنس میں چونکہ قمار صاف طور پر موجود ہے، اس لیے یہ ناجائز ہوگا۔

انشورنس کے مصالحوں اور حکم شرعی میں ترمیم کا مسئلہ

اب رہا یہ سوال کہ انشورنس کے معاملہ میں بڑی مصلحتیں ہیں، لہذا ان مصالحوں کے پیش نظر کیا اس کی اجازت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مصالحوں کا اعتبار وہاں کیا جاتا ہے جہاں مقاصدِ شریعت فوت نہ ہوتے ہوں اور جہاں مقاصدِ شریعت فوت ہوتے ہوں، وہاں مصالحوں کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، پھر مصالحوں کے اعتبار کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے، جہاں حکم منصوص نہ ہو، اور یہاں ایک تو حکم منصوص ہے اور وہ ہے سود کا حرام ہونا، اسی طرح قمار کا حرام ہونا، دوسرے ان مصالحوں کے اعتبار کرنے سے مقاصدِ شریعت (جو سود کی حرمت سے متعلق ہیں) فوت ہو جاتے ہیں، لہذا ان مصالحوں کا اعتبار کر کے انشورنس کے جواز کا فتویٰ کسی طرح نہیں دیا جاسکتا۔

پھر وہ مصالحوں جن کا ذکر کیا جاتا ہے ان کی تحصیل کچھ اسی معاملہ پر منحصر نہیں

ہے کہ اس میں جواز تلاش کیا جائے، بلکہ شریعت نے ان مصالح کی تحصیل کے لئے دوسری صورتیں تجویز فرمائی ہیں، جیسا کہ اس کا ذکر آئے گا۔

انشورنس میں مفاسد

پھر مصالح پر نظر کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ اس کے مفاسد پر بھی نظر کریں؛ کیوں کہ اگر صرف مصالح کو دیکھا جائے تو بلاشبہ ہر اچھی اور بری چیز میں کچھ نہ کچھ مصالح نظر آئیں گے، حتیٰ کہ قرآن نے شراب اور جوئے میں بھی منافع و مصالح کا ہونا تسلیم کیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ [البقرة: ۲۱۹]

مگر منافع و مصالح کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کو حلال اس لئے نہیں قرار دیا گیا کہ اس میں مفاسد بھی ہیں اور انہی مفاسد کی طرف ”اِثْمٌ كَبِيرٌ“ کے لفظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

اور ”اِثْمٌ“ کا بمعنی مفسدہ ہونا صحیح ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے :
”الاثم بمعنى المفسدة فى قول“ (۱)

الغرض اس سے معلوم ہوا ہے کہ صرف مصالح پر نظر کرنا کافی نہیں، بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اس میں کچھ مفاسد بھی ہیں یا نہیں؟ اور یہ ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں بڑے مفاسد بھی ہیں، مثلاً بیمہ اور انشورنس کی رقم وصول کرنے کے لئے وارث نے بیمہ دار کو قتل کر دیا، یہ کتنا بڑا مفسدہ ہے۔

غور کیجئے کہ اس سے پیدا ہونے والے مفاسد صرف جان یا مال سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ روح سے بھی تعلق رکھتے ہیں، مثلاً دشمنی، حسد و بغض، جھوٹ، مکرو

فریب وغیرہ۔ ان روحانی مفاسد کے ہوتے ہوئے انشورنس کے مصالح کے پیش نظر اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ اسلام میں جانی و مالی مصالح سے زیادہ، روحانی مصالح قابل اعتناء ہوا کرتے ہیں۔

انشورنس کی مختلف صورتوں میں فرق ہے یا نہیں؟

اس پر میں نے پہلے ہی روشنی ڈالی ہے کہ انشورنس کی مختلف صورتیں ہیں، مگر ان میں سے بیشتر صورتوں میں حکم کے لحاظ سے کوئی جوہری فرق نہیں، کیونکہ ان میں سے کسی صورت و شکل میں سود پایا جاتا ہے، تو کسی میں قمار پایا جاتا ہے، اور بعض صورتوں میں دونوں پائے جاتے ہیں، لہذا یہ شکل و صورت کا تفاوت و فرق ہے، معاملہ کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ بعض صورتیں دائرہ جواز میں داخل ہو سکتی ہیں، جیسا کہ بحث آ رہی ہے۔

انشورنس کی بہت سی شکلیں اور صورتیں ہیں، زیادہ معروف و رائج صورتیں یہ ہیں: (۱) زندگی کا انشورنس جس کو LIFE INSURANCE کہا جاتا ہے (۲) املاک کا انشورنس (۳) ذمہ داریوں کا انشورنس (۴) ڈیکل انشورنس وغیرہ۔ لہذا یہاں ان پر مختصر کلام کیا جاتا ہے۔

(۱) لائف انشورنس کا حکم

لائف انشورنس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کرنے والا کا بیمہ کمپنی کی جانب سے ڈیکل معائنہ کرایا جاتا ہے، اور اس کی رپورٹ کے مطابق اس شخص پر اگر کوئی حادثہ اور ناگہانی آفت نہ آئی، تو مثال کے طور پر تیس سال یا بیس سال زندہ رہ سکتا ہے، تو کمپنی اتنے سال کے لئے اپنی شرائط کے مطابق لائف انشورنس کر لیتی ہے، اور اس شخص کو ہر ماہ ایک متعین رقم کمپنی میں بھرتے رہنا پڑتا ہے، پس اگر وہ ڈیکل

رپورٹ کے مطابق بیس یا تیس سال پر مر جاتا ہے یا مدت مذکورہ سے پہلے مر جاتا ہے تو اس کی جمع شدہ رقم مع سود اس کے وارثین کو دیدی جاتی ہے، اور اگر اس مدت میں اس کی موت واقع نہ ہوئی تو خود اسی کو وہ رقم مع سود مل جاتی ہے۔

اس کا حکم واضح ہے کہ یہ ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ایک تو سودی معاملہ ہے اور دوسرے جو اور قمار بھی ہے، اور۔ جیسا کہ عرض کیا گیا۔ یہ دونوں چیزیں اسلام میں سخت حرام و ناجائز ہیں، اس لئے جو معاملہ ان دونوں سے مرکب ہو، وہ بدرجہ اولیٰ حرام و ناجائز ہے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں لائف انشورنس

مگر یہاں بعض حضرات نے ایک سوال اٹھایا ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں، جہاں آئے دن فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ رہتا ہے اور مسلمانوں کی جانیں اور املاک بالکل محفوظ نہیں رہتیں، بلکہ بسا اوقات مسلمانوں کی بستیوں کی بستیاں تباہ و ہلاک کر دی جاتی ہیں، کیا اس کی گنجائش ہے کہ محض اپنی جان کی حفاظت کی خاطر لائف انشورنس کرایا جائے؟

اس کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ:

(۱) کسی عام حادثہ میں مارے جانے میں اور فرقہ واریت میں مارے جانے میں کوئی فرق نہیں، اگر ایک شخص اس لئے انشورنس کراتا ہے کہ کسی عام حادثہ میں مارے جانے کی وجہ سے مصائب پیش آتے ہیں تو اس کا ناجائز ہونا مسلم ہے، تو اگر کوئی اس لئے انشورنس کراتا ہے کہ فرقہ واریت میں مارے جانے سے مصائب کا سامنا ہوگا تو اس کے جائز ہونے کی کیا علت ہے؟ اور آخر ان دونوں میں بنیادی اور جوہری طور پر کیا فرق ہے؟

(۲) دوسرے اس سلسلہ میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ لائف انشورنس کرانے سے حکومت ہماری جانوں کی ذمہ دار ہو جاتی ہے، اور فسادات کی صورت میں حفاظت کا چست نظام بنا کر فرقہ واریت کو ختم کر سکتی ہے، یہ محض ایک خام خیالی ہے، کیونکہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ فرقہ واریت میں ہونے والے حوادث کی انشورنس کمپنی ذمہ دار نہیں ہوتی۔

(۳) تیسرے یہ کہ کیا انشورنس کرانے کی صورت ہی میں حکومت ہماری جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہے؟ کیا اس کے بغیر وہ اس کی ذمہ دار نہیں ہے؟ اگر ہے تو پھر وہ کیوں حفاظت نہیں کرتی؟ اور اگر ذمہ دار ہونے کے باوجود وہ اس میں کوتاہی کرتی ہے تو کیا یقین ہے کہ انشورنس جیسی حرام چیز کا ارتکاب کرنے کے باوجود وہ اپنی ذمہ داری کو پوری کرے گی؟

(۴) اگر ان حالات کی وجہ سے انشورنس کو جائز قرار دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ جواز صرف ان حالات کے زمانے میں ہوگا یا ہر زمانے میں؟ اگر اس کا زمانہ محدود ہوگا تو اس کی حد کیا ہوگی؟ کیونکہ حالات تو ہر وقت یکساں نہیں رہتے، جس طرح عافیت کے حالات یکساں نہیں ہوتے اسی طرح فسادات کے حالات بھی یکساں نہیں ہوتے، تو یہ جواز کب تک کے لیے ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اس کا متعین کرنا ایک متعذر امر ہے، اس لئے یہ متعین تو کیا نہ جاسکے گا، لامحالہ اس کو غیر محدود طور پر جائز کہنا پڑے گا، چاہے حالات کچھ بھی ہوں، تو کیا اس کی کوئی اہل علم و دین اجازت دے سکتا ہے؟

الغرض لائف انشورنس کی گنجائش دینا بلاوجہ ایک حرام کو حلال کرنے کے مترادف ہے، اور اس میں کوئی مصلحت نہیں بلکہ سراسر مفسد ہیں، لہذا یہ سوال خارج از بحث ہے۔

(۲) املاک کا انشورنس

املاک و اشیاء کے انشورنس میں یہ ہوتا ہے کہ طالب انشورنس ایک مقررہ مدت مثلاً تین ماہ یا چھ ماہ یا سال بھر کے لیے انشورنس کمپنی کے شرائط و ضوابط کے مطابق، ایک متعینہ رقم جمع کرتا رہے گا، اور اس طے شدہ مدت کے درمیان اگر وہ املاک کسی حادثہ کا شکار ہو جائے، تو انشورنس کمپنی اس کے نقصان کی تلافی کرتی ہے، اور اگر اس مدت میں اس املاک پر کوئی حادثہ نہیں پیش آیا تو وہ جمع شدہ رقم کمپنی واپس نہیں کرتی، بلکہ خود رکھ لیتی ہے۔

اس صورت کا حکم بھی یہی ہے کہ یہ ناجائز ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں اگرچہ کہ سود نہیں آتا؛ کیونکہ کمپنی کوئی رقم واپس نہیں کرتی، لیکن اس صورت میں قمار پایا جاتا ہے، کیونکہ املاک کو نقصان پہنچنے اور نہ پہنچنے دونوں کا امکان ہے، اگر نقصان ہوا اور کمپنی نے اس کی تلافی کی تو فائدہ ہو گیا، اور اگر نقصان ہی نہ ہوا اور تلافی کی نوبت ہی نہ آئی تو بیمہ کرانے والے کا نقصان ہوا، اس طرح یہ معاملہ نفع و نقصان کے درمیان دائر ہونے کی وجہ سے قمار میں داخل ہے۔ علامہ ابن نجیم اور علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

” لان القمار من القمر الذي يزداد تارة و ينقص أخرى و سمي القمار قماراً لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه و يجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص . (۱)

بعض علماء کی غلط فہمی

اس مسئلہ میں بعض علماء کو علامہ شامی کی ایک عبارت سے دھوکہ لگا ہے، اور

(۱) البحر الرائق: ۵۵۴/۸، الشامی: ۴۰۳/۶

انہوں نے املاک کے بیمہ کی ایک تاویل سے اجازت دی ہے، چنانچہ مفتی شبیر احمد صاحب (مفتی دارالافتاء، مدرسہ شاہی، مراد آباد) نے کہا کہ

”املاک کے بیمہ میں سود نہیں ملتا، البتہ اس میں قمار پایا جاتا ہے، مگر سنگین حالات میں عارضی طور پر ”الضرورات تبیح المحظورات“ وغیرہ قواعد کے تحت اس کی گنجائش دی جاسکتی ہے، اور نقصانات کی تلافی کے نام سے بیمہ کمپنی جو رقم دیتی ہے، وہ امداد و اعانت کے درجے میں ہوگی، اور اگر بیمہ شدہ اموال و املاک کی حفاظت کی ذمہ داری کمپنی اپنے اوپر لیتی ہے، تو قمار کا شبہ بھی باقی نہیں رہے گا، اور جمع شدہ رقم اجرت کے حکم میں ہو جائے گی اور نقصانات کی تلافی کی رقم ضمانت و تاوان کے درجے میں ہو کر جائز ہو جائے گی۔“ (۱)

اور اس پر علامہ شامی کی ایک عبارت سے استدلال کیا ہے، اور وہ یہ ہے:

”وان كان صاحب السوكرة هو صاحب المركب يكون اجيراً مشتركاً (الی قولہ) ولو قال ان كان مخوفاً وأخذ مالك فأنا ضامن ضمن.“ (۲)

(خلاصہ ترجمہ: اور اگر بیمہ کمپنی از خود مال پہنچانے کی ذمہ دار ہے تو وہ اجیر مشترک ہوگا (شامی کا قول) اگر خوف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں اس کا ضامن ہوں گا تو ضامن ہو جائے گا)

مگر احقر کو اس میں کلام ہے، جہاں تک مسئلہ ہے ضرورت شدیدہ کا، تو اس میں اگر واقعی ضرورت کا تحقق ہو جائے تو بے شک فقہی قواعد کی روشنی میں اس کی اجازت ہو سکتی ہے، مگر اصل سوال تحقق کا ہے، اور دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ عارضی

(۱) ایضاح النوادر: ۴۴۱-۱۴۵، از مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی (۲) الشامی: ۴/۱۷۰

گنجائش کب تک ہوگی؟ اس کے حدود کیا ہوں گے؟ اور ظاہر ہے کہ اس کا طے کرنا آسان نہیں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ اگر کمپنی خود مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہو، تو جمع شدہ رقم اجرت مان لی جائے گی اور جو اس سے زائد نقصان کی تلافی میں لگا ہے، اس کو تاوان و ضمانت قرار دیا جائے گا، اس میں سے پہلی بات تو صحیح ہے مگر دوسری بات صحیح نہیں، اور نہ یہ علامہ شامی کا قول ہے بلکہ انہوں نے ایک اشکال کے ضمن میں لکھا ہے، اور آگے چل کر اس کی تردید کر دی ہے، ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ:

”علامہ شامی نے اولاً بیمہ کی صورت کو جو ان کے زمانے میں ”سوکرہ“ کے نام سے جاری تھی، ناجائز قرار دیا، پھر اس پر ایک اشکال کیا کہ جس کے پاس ودیعت رکھی جائے، وہ اگر اس پر اجرت لے تو ہلاک ہونے کی صورت میں اس پر ضمان آئے گا، اسی طرح بیمہ میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کمپنی جب اجرت لیتی ہے تو ہلاکت کی صورت میں اس پر ضمان آئے گا۔

علامہ شامی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر صاحب السوکرہ (کمپنی) ہی اموال کی حفاظت کی ذمہ دار ہو تو جمع شدہ رقم کو اجرت قرار دیا جاسکتا ہے، اور وہ کمپنی ”اجیر مشترک“ ہوگی، لیکن اجیر مشترک ان چیزوں کا ضامن نہیں ہوتا جس سے بچنا ممکن نہ ہو، جیسے موت، غرق وغیرہ۔

اس کے بعد پھر ایک سوال قائم کیا کہ ”باب كفالة الرجلین“ میں یہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ اس راستہ سے جاؤ، یہ راستہ مأمون ہے، اور وہ شخص اس راستہ سے گیا اور اس کا مال پکڑ لیا گیا، تو یہ کہنے والا ضامن نہ ہوگا، اور اگر اس نے کہا کہ ”اگر یہ راستہ خوفناک ہو اور تیرا مال پکڑ لیا گیا تو میں اس کا ضامن

ہوں، تو یہ شخص ضامن ہوگا۔ اور شارح نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس صورت میں اس دھوکہ دینے والے نے صاف طور پر راستہ کے سلامت رہنے کی ضمانت لی ہے، اس لئے اس پر ضمان آئے گا، بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں ”میں ضامن ہوں گا“ کہہ کر اس نے ضمانت نہیں لی ہے، اور ”جامع الفصولین“ میں لکھا ہے کہ اصل یہ ہے کہ دھوکہ کھانے والا دھوکہ دینے والے سے ضمان اس وقت لے سکتا ہے جبکہ دھوکہ آپسی لین دین میں ہو یا دھوکہ دینے والے نے سلامت رہنے کی ضمانت دی ہو، اس کی نظیر یہ ہے جیسے طحان (چکی پینے والے) نے گیہوں والے سے کہا کہ گیہوں ڈول میں ڈال دو، اس نے ڈال دیا اور وہ گیہوں سوراخ سے نکل کر پانی میں چلے گئے جبکہ طحان کو اس سوراخ کا علم بھی تھا تو یہ اس کا ضامن ہوگا؛ کیونکہ اس نے معاملہ میں دھوکہ دیا ہے جبکہ وہ سلامتی کا تقاضا کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح ان صورتوں میں ضمان آتا ہے اسی طرح بیمہ کی صورت میں بھی ضمان لاگو کیا جاسکتا ہے۔

اس اشکال کا جواب علامہ شامی نے یہ دیا ہے کہ دھوکہ والی صورت میں یہ ضروری ہے کہ دھوکہ دینے والا تو پیش آنے والے خطرہ سے آگاہ ہو، جیسا کہ طحان والا مسئلہ دلالت کرتا ہے، اور دھوکہ کھانے والے کو اس کا علم نہ ہو۔

اس کے بعد علامہ شامی بیمہ کمپنی کے مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ مخفی نہیں کہ کمپنی دھوکہ دینے کا نہ ارادہ رکھتی ہے اور نہ غرق کا خطرہ پیش آنے سے پہلے اس کو اس کا علم ہوتا ہے، اور رہا چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ تو وہ تو سب کو معلوم ہے، کمپنی کو بھی اور بیمہ داروں کو بھی، لہذا یہ مسئلہ ہمارے مسئلہ سے متعلق نہیں ہے۔ (۱)

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ علامہ شامی اس عبارت میں کمپنی پر

ضمان کو نادرست قرار دینا چاہتے ہیں، نہ یہ کہ اس کی حمایت کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔

نیز اس سلسلہ میں مولانا کو ایک غلط فہمی یہ ہوئی ہے کہ علامہ شامی کی عبارت میں جو بات بطور اشکال آئی ہے، اس کو علامہ شامی کا ”فتویٰ“ سمجھ لیا ہے، حالانکہ خود شامی نے اس کی تردید کر دی ہے، اور پھر اس عبارت میں ”وان كان مخوفاً الخ“ جو آیا ہے اس کا ترجمہ یا خلاصہ اس طرح کیا گیا ہے (اگر خوف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں الخ) یہ ترجمہ و مطلب بھی غلط ہے، کیونکہ یہ ”مخوفاً“ کسی کا حال نہیں، بلکہ یہ ”کان“ کی خبر ہے اور یہ پورا جملہ ”قال“ کا مقولہ ہے، یعنی ”اگر وہ کہنے والا یہ کہتا ہے کہ ”اگر یہ راستہ خوفناک ہو، اور تیرا مال پکڑ لیا گیا تو الخ“ کما لا يخفى على من امعن النظر.

(۳) ذمہ داریوں کا انشورنس

ذمہ داری کے انشورنس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ تعلیم، شادی بیاہ، وغیرہ کی خاطر بچوں کے نام سے ان کے ذمہ دار مثلاً ماں باپ وغیرہ ایک متعینہ مدت کے لئے رقم جمع کرتے ہیں اور اس پر کمپنی تعلیم یا شادی وغیرہ کی ذمہ داری لیتی ہے، اور اس متعینہ مدت کے بعد کمپنی اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر دیتی ہے، اور اگر جمع کرنے والوں نے درمیان میں جمع کرنا چھوڑ دیا تو کمپنی جمع شدہ رقم واپس نہیں کرتی۔

ظاہر ہے کہ اس صورت میں سود بھی ہے اور قمار بھی، اس لئے یہ صورت قطعی حرام و ناجائز ہے، سود اس لئے کہ اس میں مدت پوری کرنے کے بعد مقررہ رقم ملتی ہے، جو جمع شدہ رقم سے زائد ہوتی ہے اور لوگ اسی کے لالچ میں ذمہ داریوں کا بیمہ کراتے ہیں، اور قمار اس لئے کہ اس میں رقم مدت مقررہ تک جمع کی تو زائد ملتی ہے اور

اگر خدا نخواستہ مدت مقررہ تک رقم جمع نہ کی گئی تو جو جمع کی ہے وہ بھی سوخت ہو جاتی ہے، لہذا یہ صورت بھی ناجائز و حرام ہے۔

(۴) میڈیکل انشورنس

ذمہ داریوں کے انشورنس ہی کے ضمن میں ”میڈیکل انشورنس“ اسکیم بھی آتی ہے جو آج کے دور میں وسیع پیمانے پر پھیل رہی ہے، بالخصوص اس لئے کہ آج کے دور میں بیماریوں کی کثرت و تنوع اور ان کی پیچیدہ صورت حال لوگوں کے لئے زیادہ پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے، اور اسکے ساتھ ساتھ علاج معالجہ کی نئی نئی صورتوں اور طریقوں اور تشخیص امراض کے جدید آلات و مشینوں نے علاج کو بے حد مہنگا کر دیا ہے، اور متوسط طبقے کے لئے اس کا تحمل تقریباً ناقابل تصور ہوتا جا رہا ہے، اس صورت حال نے میڈیکل انشورنس اسکیم کو فروغ دینے میں بڑی مدد کی ہے۔

میڈیکل انشورنس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک سال کی مدت کے لئے طے شدہ ایک رقم پالیسی ہولڈر کو جمع کرنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے انشورنس کمپنی اس سال کے درمیان لاحق ہونے والے بیماری کے علاج کی ذمہ داری لیتی ہے، اور اس کے لئے ایک بڑی رقم دیتی ہے جو معاملہ کے وقت ہی طے کر دی جاتی ہے، اور اگر وہ شخص اس سال بیمار نہ ہو تو اس کی جمع شدہ رقم اس کو واپس نہیں کی جاتی۔

اس انشورنس کا حکم بھی واضح ہے اور اوپر بیان کردہ تفصیل کی روشنی میں اس کا جواب یہی ہے کہ یہ حرام و ناجائز ہے؛ کیونکہ اس میں سود و قمار کی ساری لغتیں موجود ہیں؛ کیونکہ اس میں ایک امکانی بلکہ متوہم بیماری پر معاملہ کیا جاتا ہے، جو اگر پیش آجائے تو پالیسی ہولڈر لاکھوں حاصل کر لے گا اور اگر نہ پیش آئے تو جو رقم جمع کی تھی، وہ بھی سوخت ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ خالص قمار ہے، اور جو رقم جمع شدہ رقم پر زیادہ

ملے گی وہ سود بھی ہے، اس طرح یہ معاملہ سود و قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بلاشبہ حرام ہے۔

بعض علماء نے اس پر کما حقہ غور نہ کرنے کی وجہ سے اس کے جواز کی طرف اپنے رجحان کا اظہار کیا ہے، اور اس کو تعاون کی ایک شکل قرار دیا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ تعاون کی یہ شکل سود و قمار ہونے کے باوجود جائز کس طرح ہو سکتی ہے؟

البتہ وہ ممالک جہاں میڈیکل انشورنس قانوناً لاگو ہے اور وہاں کے شہریوں یا واردین و صادرین کے لئے لازم کر دیا گیا ہے، وہاں مجبوری کی وجہ سے میڈیکل انشورنس کرانے کی اجازت ہوگی، اس لئے نہیں کہ یہ جائز ہے بلکہ اس لئے کہ وہ مجبور ہیں اور اس سے بچنا بس میں نہیں، لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں:

۱- ایک تو یہ کہ یہ جواز صرف ان کے لئے ہوگا جو مجبور ہیں، اور مجبور یا تو وہ لوگ ہیں جو ان ممالک کے اصل باشندے ہیں یا وہاں ان لوگوں نے بود باش اختیار کر لی ہے، یا وہ جو کسی شدید حاجت و ضرورت کے لئے وہاں جاتے ہیں، اور جو لوگ محض سیر و تفریح کے لئے ایسے ممالک میں جاتے ہیں وہ اس جواز کے دائرے میں نہیں آتے، لہذا ان کو یا تو وہاں جانا نہیں چاہئے یا انشورنس نہیں کرانا چاہئے۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ اگر مجبوری کے تحت ایسے ممالک میں انشورنس کرائے تو لازم ہے کہ اپنی جمع شدہ رقم سے زائد جو کچھ کمپنی کی طرف سے ملے، وہ بلا نیتِ ثواب صدقہ کر دے۔ ہذا ما عندی، واللہ اعلم۔

(۵) کاغذات کا بیمہ

اس کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ:

”اس کا رواج کچھ قدیم ہے، اسی لیے علامہ ابن عابدین شامی جو متاخرین

میں افضل الفقہاء مانے گئے ہیں، انہوں نے اس کا ذکر کتاب الجہاد، باب المستامن میں بنام ”سوکرہ“ کیا ہے، مگر اس کی جو صورت لکھی ہے وہ موجودہ بیمہ سندات و کاغذات سے کسی قدر مختلف ہے، اور علامہ شامیؒ نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ مگر انہیں کی تحریر سے بیمہ سندات و کاغذات کی مروجہ صورت کا جواز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس میں نقل کیا ہے: ”ان المودع اذا اخذ الاجرة على الوديعة يضمنها اذا هلكت“ (شامی) (یعنی جس شخص کو کوئی سامان بغرض حفاظت دیا جائے اگر وہ اس کی حفاظت کا معاوضہ لیتا ہے تو ضائع ہو جانے کی صورت میں اس پر ضمان واجب ہوگا) ظاہر ہے کہ محکمہ ڈاک وغیرہ جو سندات و کاغذات وغیرہ سربمہر کر کے حفاظت کے وعدہ پر لیتا ہے اور اس کی حفاظت کی فیس بھی لیتا ہے، تو ضائع ہو جانے کی صورت میں مذکورہ روایت کی بنا پر ضائع شدہ کاغذات کا ضمان اس پر لازم آئے گا۔^(۱)

انشورنس میں سود لیے بغیر شرکت کا حکم

ایک سوال اس سلسلہ میں یہ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص انشورنس کے معاملے میں سود سے بچا رہے، اور صرف اپنی اصل رقم کی واپسی چاہتا ہو، تو کیا یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

اس بارے میں ایک تو اس پر غور کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص اس معاملہ میں سود لینے سے محترز رہا تو وہ اس برائی و مفسدہ سے بچ تو گیا، لیکن جب اس کو یہ معلوم ہے کہ اس کا اس معاملہ میں لگایا ہوا روپیہ، سودی کاروبار میں لگایا جاتا ہے، تو یہ سودی کاروبار میں تعاون ہوا، اور یہ بھی ناجائز ہے؛ کیوں کہ اسلام میں حرام کام کا تعاون

(۱) رسالہ بیمہ زندگی، مندرجہ جواہر الفقہ: ۱۸۲/۲-۱۸۳

بھی حرام ہے، درمختار میں ہے: ”ویکرہ تحریماً بیع السلاح من أهل الفتنۃ، إن عَلِمَ لِأَنَّهُ إعانة علی المعصیة، وبيع ما يتخذ منه كالحدید ونحوه یکره لأهل الحرب لا لأهل البغی لعدم تفرغهم لعمله سلاحاً.“ (۱)

اور اوپر وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں سود لینے، سود دینے اور اس پر گواہ بننے اور اس کا حساب لکھنے کو ایک ہی درجہ کا گناہ قرار دیا گیا ہے، جب گواہ بنا اور حساب لکھنا بھی تعاونِ حرام میں داخل ہو جاتا ہے، تو جانتے بوجھتے، اپنا روپیہ ایسے لوگوں کے حوالہ کرنا جو اس کو سود پر لگاتے ہوں، کیوں کر تعاونِ حرام نہ ہوگا؟ اس لیے سود لیے بغیر بھی اس معاملہ میں شرکت ناجائز ہوگی۔

اس کے علاوہ یہ بھی غور کرنا ہے کہ اس معاملہ میں قمار بازی بھی ہے، اگر سود نہ لیا جائے تو ایک گناہ ختم ہوا، مگر قمار بازی بھی خود ایک مستقل گناہ ہے، اس کا کیا ہوگا؟ بخاری کی ایک حدیث میں ہے: ﴿من قال لصاحبه تعال أقامرک فلیتصدق﴾ (جس نے اپنے ساتھی سے یہ کہا کہ چل، ہم قمار بازی کریں گے، تو اس کو چاہئے کہ صدقہ دے) (۲)

جب کسی سے صرف یہ کہنا کہ چلو، جو اٹھیلیں، موجبِ تصدق ہے، تو خود قمار بازی کا کیا حال ہوگا؟ لہذا سود لیے بغیر بھی اس میں شرکت دو وجہ سے ناجائز ہوگی، ایک تو اس لیے کہ اس میں شرکت سودی کاروبار کے تعاون کا ذریعہ ہے اور دوسرے اس لیے کہ اس میں قمار بازی کا گناہ ہے۔

ربوایا امداد؟

اور یہ کہنا کہ انشورنس کے معاملے میں کمپنی جو رقم سود کے نام سے ادا کرتی

(۱) درمختار: ۴/۲۶۸ (۲) بخاری: ۴۳۸۲، مسلم: ۳۱۰۷

ہے، وہ ربوا اور سود نہیں ہے، بلکہ وہ بیمہ داروں کی امداد و اعانت اور تبرع و احسان ہے، یہ غلط ہے۔

کیوں کہ ہر چیز کا حکم اس کی حقیقت سے متعلق ہوا کرتا ہے، نام سے نہیں، اگر کوئی شخص شراب کو شربت کا نام دیدے، تو صرف نام کے بدل جانے سے اس پر حلت کا حکم نہیں لگایا جائے گا، بلکہ دیکھا یہ جائے گا کہ اس مسمی بہ شربت شی میں نشہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو بلاشبہ حرمت کا حکم لگایا جائے گا، اگر چہ نام، اس کا شربت ہی ہو جائے۔ اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ انشورنس کے معاملے میں جو رقم زائد دی جاتی ہے، حقیقت کے لحاظ سے ربوا شرعی ہے، اس کو امداد و اعانت یا تبرع و احسان کا نام دینے سے اس کے حکم حرمت میں کوئی فرق نہ آئے گا، بلکہ وہ بدستور حرام ہی ہوگا۔

پھر جس کو یہاں امداد و احسان کہا جا رہا ہے، اس پر امداد و احسان کی تعریف بھی صادق نہیں آتی؛ کیوں کہ امداد و احسان میں جبر نہیں ہوتا، اور انشورنس کی اس زائد رقم میں جبر ہوتا ہے۔ خود کمپنی بھی اور بیمہ دار بھی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ اگر کمپنی زائد رقم ادا نہ کرے تو قانونی چارہ جوئی سے وصول کی جاسکتی ہے۔

بتائیے یہ کیسا احسان ہے جس میں جبر بھی ہو سکتا ہے؟ غرض یہ کہ یہ ربوا، ربوا ہی ہے اور حرام ہے، تاویلوں اور ناموں کی تبدیلی سے اس کے اصل حکم میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔

دار الحرب میں سود کا مسئلہ

جب بھی انشورنس اور اس میں سود ہونے کی بحث اٹھتی ہے تو عام طور پر دار الحرب میں سود کا مسئلہ بھی زیر بحث لایا جاتا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان دار الحرب ہے، اس لئے یہاں سود کی گنجائش ہے، لہذا انشورنس بھی درست

ہونا چاہئے۔

اس پر گفتگو سے قبل ہم اصل مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں، پھر مسئلہ زیر بحث کی طرف آئیں گے۔ دارالحرب میں حربی سے اس کی رضامندی کے ساتھ سود لینے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ جواز کے قائل ہیں، اور امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ) عدم جواز کے قائل ہیں۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

(ولا بين حربى ومسلم) مستامن، ولو بعقد فاسد أو قمار (ثمة)
لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه مطلقاً بلاغدر خلافاً للثانئ والثلاثة. (۱)
بحر الرائق میں ہے:

قوله: (ولا بين الحربى والمسلم ثمة) أى لاربا بينهما فى
دار الحرب عند هما خلافاً لأبى يوسف. (۲)
امام اعظمؒ جو جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک اس کے جواز کی چند شرطیں
ہیں، ان پر بھی نظر ڈال لینا ضروری ہے:

(۱) حربی سے سود لینے والا ایسا مسلمان ہو جو دارالاسلام سے امن لے کر دار
الحرب آیا ہو، جسے فقہاء کی زبان میں مستامن کہتے ہیں، درمختار کی مذکورہ بالا عبارت
میں مسلم کے ساتھ مستامن ہونے کی قید مصرح ہے۔ لہذا جو مسلمان دارالحرب ہی میں
رہتا ہو، مستامن نہ ہو، وہ حربی کافر سے سود نہیں لے سکتا۔

(۲) یا سود لینے والا مسلمان اسیر (قیدی) ہو، قال ابن عابدین: قوله:

(۱) درمختار مع الشامی: ۱۸۶/۵ (۲) البحر الرائق: ۱۳۵/۶

(ومسلم مستأ من) ومثله الأسير. (۱)

اور اسیر کے سود لینے کے جواز میں امام ابو یوسف بھی امام اعظمؒ کے ساتھ متفق ہیں، کما صرح به الشامی حیث قال: وخلافه (أى أبى يوسفؒ) في المستأمن دون الأسير. (۲)

(۳) یا یہ سود لینے والا ایسا مسلمان ہو جو دار الحرب ہی میں اسلام لایا ہو اور ہجرت نہ کیا ہو، فی الدر المختار: قلت: و منه يعلم حکم من أسلما ثمة، ولم يهاجرا، قال الشامی: أى يعلم مما ذكره المصنف مع تعليله أن من أسلما ثمة ولم يهاجرا لا يتحقق الربا بينهما أيضاً. (۳)

(۴) یہ معاملہ حربی کافر سے ہو، مسلم اصلی، یا ذمی کافر سے نہ ہو، چنانچہ شامی نے لکھا ہے: احترز بالحربي عن المسلم الأصلي والذمي. (۴)

(۵) یا یہ معاملہ اس مسلمان سے ہو جو دار الحرب میں اسلام لایا ہو اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کیا ہو، درمختار و بحر الرائق میں ہے: ”و حکم من أسلم فی دار الحرب ولم يهاجر كحربي، فللمسلم الربا معه خلافاً لهما.“ (۵)

یہ تو اصل مسئلہ ہوا، اب سب سے اہم بات اس کو ہندوستان پر منطبق کرنے کی ہے، بعض حضرات اگرچہ اس سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان میں انشورنس اور سود کے جواز پر فتویٰ دیتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان پر اس کو منطبق کرنا سخت ترین دشواریات ہے، اولاً تو اس لیے کہ موجودہ ہندوستان کا دار الحرب ہونا خود مختلف فیہ مسئلہ ہے، اور ہمارے بہت سے اکابر نے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا ہے، تو اس

(۱) شامی علی الدر: ۱۸۶/۵ (۲) شامی: ۱۸۶/۵ (۳) الدر المختار مع الرد المختار: ۱۸۶/۵-۱۸۷

(۴) شامی: ۱۸۶/۵ (۵) درمختار مع الشامی: ۱۸۶/۵، البحر الرائق: ۱۴۷/۶

میں سود کے جواز کا مذکورہ مسئلہ کیسے اٹھایا جاسکتا ہے؟

ثانیاً اس لیے کہ یہ سود لینے کا جواز اسی وقت ہے جب کہ یہ حربی کافر سے، یا اس مسلمان سے لیا جائے جو دار الحرب ہی میں اسلام لایا ہو اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کیا ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان شرائط کا تحقق یہاں ممکن نہیں۔

ثالثاً اس لیے کہ موجودہ زمانے میں دار الحرب میں اسلام لانے کے بعد دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا، ناممکن ہے، اور خود دارالاسلام ایسے افراد کو شہریت دینے کو تیار نہیں، ایسی صورت میں ہجرت نہ کرنے سے کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کا مال غیر معصوم ہے؟ پھر اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ آج ہندوستان میں کسی بھی مسلمان کا مال معصوم نہ رہے۔ اور ایک دوسرے کا مال لے لینا اور ضائع کر دینا گناہ و ضمان کا موجب نہ ہو، اور یہ بات جس عظیم فتنہ کا باعث ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔

ایک اہم مسئلہ

اس کے ساتھ ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ امام اعظمؒ نے جو دار الحرب میں عقود فاسدہ، مثل ربوا، وغیرہ کو جائز قرار دیا ہے، اس میں یہ بھی شرط ہے کہ مسلمان، حربی کافر یا حربی مسلمان کے مال سے نفع اندوز ہو، اور کافر کو مسلمان کے مال سے نفع اندوز ہونے کا موقع نہ ملے، اور اگر خدا نخواستہ ان میں سے کسی معاملے میں حربی کافر کو نفع ہو تو اس کی اجازت نہیں ہے۔

علامہ ابن الہمام نے فتح القدر میں فرمایا کہ:

إلا أنه لا يخفى أنه إنما اقتضى حلّ مباشرة العقد إذا كان الزيادة (الربوا) ينالها المسلم، و الربا أعم من ذلك، إذ يشمل ما إذا كان الد رهمان من جهة المسلم أو من جهة الكافر، وجواب المسئلة بالحلّ عام

في الوجهين، وكذا القمار قد يفضى إلى أن يكون مال الحظر للكافر، بأن يكون الغلب له، فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة وقد الزم الاصحاح في الدرس ان المراد من حل الربا و القمار ما اذا حصلت الزيادة للمسلم نظرا الى العلة وان كان اطلاق الجواب خلافه والله تعالى اعلم. (۱)

علامہ ابن نجیم مصریٰ فتح القدر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”إلا أنه لا يخفى أنه إنما اقتضى حلّ مباشرة العقد إذا كان الزيادة (الربوا) ينالها المسلم، و الربا أعم من ذلك، إذ يشمل ما إذا كان الد رهمان من جهة المسلم أو من جهة الكافر، وجواب المسئلة بالحلّ عام في الوجهين. (۲)

نیز علامہ شامیٰ نے ردالمختار میں فتح القدر سے اس سب کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

قلت ويدل على ذلك ما في السير الكبير و شرحه حيث قال واذا دخل المسلم دار الحرب بامان فلا باس بان ياخذ منهم اموالهم بطيب انفسهم باى وجه كان لانه انما ياخذ المباح على وجه عرى عن الغدر فيكون ذلك طيباً له والاسير والمستامن سواء حتى لو با عهم درهماً بدرهمين او باعهم ميتة بدرهم او اخذ مالاً منهم بطريق القمار فذلك كله طيب له اه ملخصاً فانظر كيف جعل موضوع المسئلة الاخذ من اموالهم برضاهم فعلم ان المراد من الربا والقمار فى كلامهم ما كان على هذا

(۱) فتح القدر: ۳۹/۷ (۲) البحر الرائق: ۱۳۶/۶

الوجه وان كان اللفظ عاما لان الحكم يد ورمع علتہ غالباً۔ (۱)

حضرات فقہاء کرام کی ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ دار الحرب میں عقود فاسدہ مثل ربا و قمار، اسی وقت جائز ہیں جب کہ ان کا نفع مسلمانوں کو حاصل ہو، ورنہ جائز نہیں۔ اب اس پر غور کیجئے کہ انشورنس میں جو قمار ہوتا ہے اس کا نفع کبھی مسلمان کو ہوتا ہے جو اس میں شریک ہے، جب کہ مدت مقررہ سے پہلے بیمہ شدہ شخص وشیء، ہلاک ہو جائے، اور کبھی کمپنی کو نفع ہوتا ہے جب کہ مدت مقررہ کے بعد ہلاک ہو، ایسی صورت میں انشورنس کی اجازت دار الحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کی صورت میں بھی نہیں مل سکتی۔ الغرض ہندوستان میں امام اعظمؒ کے مسلک پر بھی اس کے جواز کا مسئلہ نہایت مشکل ہے۔ (واللہ اعلم)

اسکے علاوہ احتیاط کے بھی خلاف ہے۔ لہذا جمہور کی رائے کے مطابق عدم جواز پر ہی فتویٰ دینا چائے۔

نجی کمپنیوں اور حکومتی اداروں میں فرق

سودی کا روبا یا قمار، نجی کمپنیاں کرتی ہوں یا حکومتی ادارے، مسئلہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہذا ہر صورت میں انشورنس کا معاملہ ناجائز ہوگا۔ البتہ حادثہ کی صورت میں جو رقم، حکومت کا یہ ادارہ دیگا، اس کو امداد کہا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: ”ایک فرق (حکومتی ادارے اور نجی کمپنیوں میں) سامنے رکھنا ضروری ہوگا کہ حادثہ کی صورت میں جو رقم، حکومت سے ملے گی اسکو حکومت کا عطیہ قرار دیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ ایسے حالات میں امداد کرنا عموماً حکومتوں کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے، مگر ربا کا جو معاملہ، اسی طرح قمار

کا جو معاملہ، انشورنس میں ہے وہ بہر حال ناجائز ہوگا۔ لہذا اس میں شرکت جائز نہیں ہوگی اور نہ سود کی وہ رقم جائز ہوگی جو حکومتی ادارہ اس معاملہ میں دیگا۔ (۱)

ایک علمی مغالطہ

سوالنامہ میں پوچھا گیا ہے کہ اگر یہ کارروبار، حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بنیاد پر کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے، زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ قرار پا کر ربوا کے حدود سے خارج ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

میں کہتا ہوں کہ غالباً یہ مسئلہ اس بنیاد پر اٹھایا گیا ہے کہ کتب فقہ میں تحقق ربوا کی جو شرائط بیان کی گئی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ بدیلین مال مشترک نہ ہو، جس میں یہ معاملہ کرنے والے بہ شرکت عنان یا بشرکت مفاوضہ شریک ہوں۔ علامہ شامی نے لکھا ہے: "قال فی الشر نبالیة: ومن شرائط الربا، عصمة البدلین و کونہما مضمونین بالاتلاف..... الی ان قال..... ومنها ان لایکون البدلان مملو کین لاحد المتبائعین کالسید مع عبده ولا مشترکین فیہما بشرکة عنان و مفاوضة کما فی البدائع"۔ (۲)

تو جیسے عنان و مفاوضہ کے دو شریک کے درمیان ربوا تحقق نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں بھی چونکہ حکومت کا خزانہ مشترک ہے اس لیے یہاں بھی ربوا کا تحقق نہ ہونا چاہئے۔ مگر یہاں ایک مغالطہ ہے۔ اولاً اس لیے کہ خزانہ حکومت میں رعیت کی شرکت پر، شرکت عنان و مفاوضہ کی تعریف صادق نہیں آتی، اور یہ عدم تحقق ربوا، اسی صورت میں ہے جب کہ شرکت مفاوضہ و عنان ہو۔

شرکت مفاوضہ کی تعریف ہدایہ میں یہ کی گئی ہے: ”اما شركة المفاوضة فهي ان يشترك الرجلان فيتساويان في مالهما وتصرفهما ودينهما ولا يحوز بين المسلم والكافر ولا بين الصبي والبالغ.“ (۱)

غور کر لیا جائے کہ یہ تعریف خزانہ حکومت میں رعیت کی شرکت پر صادق بھی آتی ہے یا نہیں، اور شرکت عنان یہ ہے کہ: ”اما شركة العنان فتعقد على الوكالة دون الكفالة وهي ان يشترك اثنان في نوع بز او طعام ويشتركان في عموم التجارات ولا يذكران الكفالة.“ (۲)

ظاہر ہے کہ یہ تعریف بھی اس پر صادق نہیں آتی۔ پھر اس سے قطع نظر مال شرکت میں عدم تحقیق ربوا کا مسئلہ، اس وقت ہے جب کہ ربا کا معاملہ کرنے والے، صرف اسی مال سے معاملہ کریں، اور اگر ایک طرف مال شرکت ہو، دوسری طرف مال شرکت نہ ہو تو یہ مسئلہ نہیں ہے۔ چنانچہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے: ”اشار المصنف الى انه لا ربوا بين المتفاوضين وشريكي العنان اذا تباعا من مال الشركة وان كان غيره جرى بينهما.“ (۳)

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے فرمایا: ”الظاهر ان المراد اذا كان من البدلين من مال الشركة، اما لو اشترى احدهما درهمين من مال الشركة بدرهم من ماله مثلاً فقد حصل للمشتري زيادة وهي حصة شريكه من الدرهم الزائد بلا عوض وهو عين الربا.“ (۴)

الغرض شرکت مفاوضہ وعنان کا سہارا لے کر خزانہ حکومت سے سود لینے یا اس کو دینے کا مسئلہ پیدا کرنا غلط ہے۔

(۱) الھدایۃ: ۲/۱۰۵ (۲) الھدایۃ: ۲/۶۰۹ (۳) البحر الرائق: ۶/۱۳۵

(۴) الشامی: ۵/۱۸۵-۱۸۶

پھر یہ بھی غلط ہے کہ خزانہ حکومت کو مال مشترک قرار دیا جائے؛ کیوں کہ مال مشترک کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مال میں دو یا چند اشخاص باعتبار ملکیت کے شریک ہوں، اور ایسا مال جس میں باعتبار ملکیت کے شراکت نہ ہو تو اس کو مال مشترک نہیں قرار دیا جاسکتا۔

مثلاً میاں اور بیوی کا مال شرعاً الگ الگ ہوتا ہے۔ اور میاں کے مال میں بیوی کا حق نفقہ ہوتا ہے، مگر میاں کے مال میں بیوی کی باعتبار ملکیت شراکت نہیں ہوتی، لہذا اگر میاں بیوی آپس میں ربوا کا معاملہ کریں، تو ربوا کا تحقق ہو جائے گا، کیوں کہ یہاں مال مشترک نہیں ہے۔

اسی طرح باپ کے مال میں بیٹے کا اور بیٹے کے مال میں باپ کا حق شرعاً ثابت ہے، مگر اس کے باوجود ان کے مالوں کو مشترک اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ہر ایک کی ملکیت الگ الگ ہے، لہذا باپ اور بیٹے کے درمیان بھی ربوا کا تحقق ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ خزانہ حکومت میں ہر فرد رعیت کا حق تو بلاشبہ ہے، مگر صرف حق کے ثابت ہونے سے مال کا مشترک ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیوں کہ ملکیت اس کے لیے ضروری ہے اور یہاں ملکیت ثابت نہیں، لہذا اس میں ربوا جاری ہوگا۔ (واللہ اعلم)

انشورنس کے سود کے مصارف

اگر کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو اور اس سے حاصل ہونے والا سود، ٹیکس میں دیا جائے یا ان کاموں میں لگایا جائے جو حکومت کے ذمہ واجب ہیں یا ایسے کاموں پر لگایا جائے جو حکومت کے ذمہ تو نہیں ہیں، مگر حکومت سے ان میں امداد لی جاتی ہے اور حکومت ان میں امداد بھی کبھی کر دیتی ہے۔ تو کیا انشورنس کا یہ معاملہ

جائز ہوگا؟

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں: ایک یہ کہ ان مصارف کے لیے انشورنس میں حصہ لینا، دوسرے حصہ لینے کے بعد اس سود کو ان مصارف میں خرچ کرنا۔

جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ صرف مصارف کا سوال ہے، لہذا اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی نے غلطی سے انشورنس کا معاملہ کر لیا، اور اس کے نام سود کی رقم آگئی تو یہ شخص اس سود کی رقم کو:

(۱) ٹیکس میں (اس ٹیکس میں جو حکومت رعایا سے ظلماً وصول کرتی ہے۔ جیسے انکم ٹیکس وغیرہ) دے سکتا ہے۔

(۲) اور ان کاموں میں دے سکتا ہے جو حکومت کے ذمہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور جو کام حکومت کے ذمہ نہیں ہے ان میں لگانا درست نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ شخص اپنے سود کی رقم ایک ایسے کام میں لگا رہا ہے جس کا نفع ہر کس و ناکس کو پہنچتا ہے، خواہ امیر ہو یا غریب، حالانکہ اس رقم کا مصرف امیر لوگ نہیں ہو سکتے؛ کیونکہ حرام مال کے سلسلہ میں فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اس کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور صدقہ کی حقیقت ہے تمليك المال من الفقير۔ (۱)

لہذا غیر فقیر کو اس مال سے نفع پہنچایا نہیں جا سکتا۔ اور پہلی دو صورتوں (ٹیکس اور حکومت کے ذمہ واجب کاموں) میں اس مال کو دینے کا جواز اس پر ہے کہ یہ سود کی رقم اصل میں یہ حکم رکھتی ہے کہ اس کو واپس لوٹا دیا جائے۔ لہذا واپس لوٹانے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کے ذمہ جو کام ہے وہ اس سے کر دیا جائے یا وہ ظلماً جو اصول کر رہا ہے اس میں اس کو دے دیا جائے۔ الغرض ٹیکس میں یا حکومت کے ذمہ واجب

کاموں میں خرچ کر دینا اس رقم کا جائز ہوگا۔ اور حکومت کے غیر واجب کاموں میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح فقراء پر خرچ کرنا بھی جائز ہوگا کہ وہ اس کا مصرف ہیں (کما هو ظاهر لان الصدقة هي تمليك المال من الفقير كما مر) مگر اس میں ثواب کی نیت جائز نہ ہوگی، کیونکہ حرام مال کو خرچ کرنے میں ثواب نہیں ہو سکتا۔ یہ دوسرے مسئلہ سے متعلق کلام تھا۔ اور پہلے مسئلہ کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ ان مصارف میں خرچ کرنے کے لیے انشورنس کا معاملہ کرنا بعض صورتوں میں جائز ہے۔

(۱) ٹیکس میں ادا کرنے کے لیے (مراد وہ ٹیکس ہے جو حکومت ظلماً لیتی ہے) (۲) حکومت کے ذمہ واجب کاموں میں۔ اور ان صورتوں میں ناجائز ہے۔

(۱) ایسے کاموں میں خرچ کرنے کے لیے جو حکومت کے ذمہ واجب نہیں ہیں۔
(۲) فقیروں اور محتاجوں کو دینے کے لیے۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ ”رسالہ بیمہ زندگی“ میں لکھتے ہیں:
(الف) یہ صورت جائز ہے کہ حکومت کی طرف سے جو غیر شرعی ٹیکس عائد ہیں، ان کو ادا کرنے کے لیے حکومت ہی سے اس کے قانون کے مطابق کوئی رقم حاصل کر لی جائے، خواہ اس کے حصول کا ذریعہ ربوا کے عنوان کے تحت آتا ہو، مگر شرط یہ کہ صرف اتنی ہی رقم اصول کی جائے جتنی حکومت کے غیر شرعی ٹیکسوں میں دینی ہے۔
(ب) از روئے قواعد تو اس کی (یعنی حکومت کے ذمہ واجب کاموں میں خرچ کرنے کے لیے انشورنس کے ذریعہ سود لینے کی) بھی گنجائش ہے، مگر انفرادی طور پر عملاً ایسا ہونا مشکل ہے اس کا نتیجہ پھر یہی ہوگا کہ اس رقم کو صرف کرنے والے اس سے اپنا مفاد بھی حاصل کریں گے جو ناجائز ہے۔ ہاں کسی ایسے ادارے کو یہ رقم سپرد

کردی جائے جو ذمہ داری کے ساتھ انہیں کاموں میں صرف کر دے جنکے پورے کرنے کی ذمہ داری حکومت پر تھی، مگر حکومت کسی وجہ سے اسکو پورا نہیں کر رہی ہے، تو اس صورت میں مضائقہ نہیں (ج) جو کام حکومت کی ذمہ داری اور فرائض میں داخل نہیں، کبھی تمبر کا حکومت بھی کر دیتی ہے۔ ان کاموں میں صرف کرنے کے لیے حکومت کی بیمہ پالیسی سے کسی ناجائز طریقہ پر رقم حاصل کرنا ناجائز نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ جواز کی علت، اس تاوان سے بچنا ہے جو حکومت کی طرف سے غیر شرعی طور پر عائد کیا گیا ہو۔ وہ علت صورت (ج) میں مفقود ہے۔ صدقہ کرنے کی نیت سے سود یا قمار کی رقم، حاصل کرنا ناجائز نہیں ہو سکتا الخ۔ (۱)

ایک قابل توجہ امر

یہ توفی حد ذاتہ مسئلہ کی توضیح ہوئی، مگر ایک بات یہاں نہایت ضروری قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ مذکورہ بنیاد پر بعض صورتوں میں انشورنس کے معاملہ کی گنجائش دی جائے گی، اور عوام الناس کو اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا، تو عوام الناس، نہ اسکی بنیاد کو دیکھیں گے اور نہ جواز کے حدود و قیود اور شرائط کو، بلکہ ان سب سے قطع نظر صرف جواز کے الفاظ کا سہارا لے کر، مطلقاً انشورنس کے جواز پر مصر ہوں گے، اور ہر قسم کے انشورنس میں بلا قید و شرط، شریک ہو جائیں گے۔ جیسا کہ عوام کی عادت سے ظاہر ہے۔ اس لیے احتیاط اور عوام کی خیر خواہی کا تقاضا یہی ہے کہ اس معاملہ کو مطلقاً ناجائز قرار دیا جائے تاکہ عوام کسی معصیت میں مبتلا نہ ہوں۔ (واللہ اعلم)

انشورنس کی متبادل شرعی شکل

اب سب سے اہم سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب انشورنس کی مروجہ صورت ”سود

وقمار، پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار پائی، تو اس سے منسلکہ مصالحو و منافع جو شرعاً بھی ناقابل التفات نہیں ہیں، ان کو حاصل کرنے کے لیے اس کی متبادل صورت کیا ہو سکتی ہے، جس میں کوئی شرعی محذور لازم نہ آئے؟ بلاشبہ یہ سوال فی نفسہ بھی اور آج کے ماحول و معاشرہ کے اعتبار سے بھی، نہایت اہم اور ناقابل فراموش ہے۔ آج کسی چیز کے بارے میں عدم جواز کا فتویٰ دیدینا کافی نہیں ہے کہ یہ کبھی لوگوں کو بے اطمینانی کی کیفیت سے دوچار کر دیتا ہے اور کبھی ارتداد کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ حضرات علماء اس پر غور کریں۔

(۱) اسلام میں سرمایہ کے تحفظ اور اس میں اضافے کے لیے، بیع کی شکل موجود ہے، جو ربا کے بالمقابل تجویز کی گئی ہے، پھر اس کی متنوع شکلوں میں سے مضاربت اور شرکت بڑے منافع اور مصالحو پر مشتمل ہیں۔

(۲) حوادث میں جانی و مالی نقصانات کی تلافی کے لیے اسلام میں تعاون علی الخیر اور امداد باہمی کی مختلف شکلیں مشروع ہیں۔

(۳) پسماندگان کے تحفظ و بقاء کے لیے وراثت، وصایت کے قوانین موجود ہیں، معاقل کا نظام بھی مقتول کے پسماندگان کے تحفظ و بقاء کا ذریعہ ہے۔

لہذا انشورنس کے جو مصالحو ہیں، سرمایہ کا تحفظ، اس میں اضافہ، امداد باہمی، حوادث میں نقصان کی تلافی اور پسماندگان کا تحفظ و بقاء، وہ سب اسلامی نظام کے مطابق ان مذکورہ شکلوں کو رائج کر کے حاصل کئے جاسکتے ہیں، اور ان میں سے بعض چیزوں کو انشورنس کمپنی میں شامل کر کے بھی ان مصالحو کو حاصل کیا جاسکتا ہے مثلاً:

(۱) انشورنس کمپنی، بیمہ کے طالبوں سے جو رقم قسط وار اصول کرتی ہے، اس کو مضاربت و شرکت کے اسلامی اصولوں پر تجارت میں لگائے اور اس سے نفع لیکر کمپنی

اور طالب بیمہ قاعدے کے مطابق تقسیم کر لیں، اور نقصان سے بچنے کے لیے اسکی نگرانی اچھی طرح کی جائے۔

(۲) نیز طالب بیمہ سے ایک معتد بہ رقم، باہمی امداد و تعاون اور حوادث میں نقصان کی تلافی کے وعدہ پر الگ سے وصول کرے، اور یہ رضامندی سے ہو، اور اس رقم سے صرف ان کی امداد کی جائے جو کمپنی کے حصہ دار ہیں، اور اس معاہدہ کے پابند بھی، اور اس کے لیے مناسب قواعد و قوانین ماہرین معاشیات و علماء شریعت کو جوڑ کر بنائے جائیں، اور پوری دردمندی و دل سوزی کا جذبہ لیکر کام کیا جائے، اور صرف تجارت مقصود نہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس طرح کا نظام نہ بن سکے۔

فقط

واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم .

محمد شعیب اللہ خان مفتاحی